❁❁❁ تقریر ❁❁❁

تقریر بابت ایمان

وقت 5-7 منٹ

ایمان کی سترّ شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر8)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا (النساء:30)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اموال آپس میں ناجائز طریق پر نہ کھایا کرو۔ ہاں اگر وہ ایسی تجارت ہو جو تمہاری باہمی رضامندی سے ہو۔ اور تم اپنے آپ کو (اقتصادی طور پر) قتل نہ کرو۔ یقیناً اللہ تم پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ کیا اِحساں ترا ہے بندہ پرور
کروں کس منہ سے شکر اے میرے داور
اگر ہر بال ہو جائے سُخَن ور
تو پھر بھی شکر ہے اِمکاں سے باہر

(درثمین)

سامعین! آج کل ہم اپنی تقاریر میں ایمان کی ستر سے زائد شاخوں میں جسم اور اعضاء سے تعلق رکھنے والے اعمال کا ذکر کر رہے ہیں۔ آج خاکسار آپ کے سامنے مختلف معاملات کا ذکر کرے گا۔

معاملات: دیانت داری کے ساتھ تجارت کرنا، امانت لوٹانا، قرض کی ادائیگی، اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھنا۔

دیانت داری کے ساتھ تجارت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب دو آدمی باہم شراکت سے کاروبار کریں تو تیسرا مَیں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت و برکت ان کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت اور بددیانتی نہ کرے۔ پھر جب ان میں کوئی خیانت کرے تو مَیں ان سے الگ ہو جاتا ہوں۔

(رواہ ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(جامع ترمذی)

سامعین! جو شخص کاروبار میں جھوٹ، دھوکہ اور خیانت سے بچتا ہے اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کا مقام بہت بلند ہوگا اور اسے انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔ ایمان داری سے تجارت کرنا بھی ایک تاجر کے ایمان کا حصہ ہے اِس لیے ضروری ہے کہ اُس کی تجارت میں سچائی، انصاف اور امانت داری ہو، مثال کے طور پر اگر کوئی تاجر سامان کی خرابی چھپائے بغیر بتادے، ناپ تول میں کمی نہ کرے، جھوٹے وعدے نہ کرے اور حلال کمائی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرماتا ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے کہ آخرت میں اسے بڑا مقام عطا کرتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلّہ کی ایک دکان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آپؐ رک گئے اور اپنا دست مبارک غلّہ کے ڈھیر میں ڈالا، نیچے سے گیلا غلّہ نکلا جب کہ اوپر خشک غلّہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکاندار کی اِس بد دیانتی کو سخت ناپسند فرمایا۔

اسلام خریدار اور فروخت کار کے درمیان آزاد اور کھلے مقابلہ کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی تاکید اور حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام نے تجارتی کاروبار کے لئے ایک ضابطہ اخلاق مقرّر کیا ہے تا کہ افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات خوش گوار ہوں اور صالح ومنصفانہ معیشت فروغ پاسکے جس کے لئے اسلام نے بنیادی اصول وضع کئے ہیں جن میں باہمی رضامندی، دیانت داری اور جائز اشیاء کی تجارت شامل ہیں۔

معاملات کی وہ تمام صورتیں جن میں دوسرے کی کمزوری و مجبوری سے فائدہ اٹھایا گیا ہو ناجائز ہیں۔ اسلامی تجارت کا دوسرا اصول دیانت داری ہے، یعنی لین دین کھلا صاف صاف اوبر سرعام ہونا چاہیے۔مال کی اصل کیفیت گاہک کے سامنے رکھ دینا چاہیے اور کسی قسم کا دھوکہ فریب نہ ہو۔ ہمارے پیارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تاجر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جوان ہوئے تو تجارت کو ہی اپنا پیشہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت صداقت امانت کا تمام مکہ معترف تھا اور اِسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق الامین کے لقب سے مشہور تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” دیکھو! دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو اسلام قبول کر کے دنیا کے کاروبار اور تجارتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ شیطان ان کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرنی منع ہے، صحابہ تجارتیں بھی کرتے تھے مگر دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو اسلام کے متعلق سچا علم جو یقین سے ان کے دلوں کو لبریز کر دے انہوں نے حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی میدان میں شیطان کے حملے سے نہیں ڈگمگائے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 193-194 ایڈیشن 1984ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” ایک مسلمان مؤمن کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتا ہے اور ہونا چاہئے اور جو کام اس سوچ کے ساتھ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے، اس میں دھوکہ دہی کا پہلو نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لئے دیا کہ لین دین کرتے وقت تو احساس نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کے بعض اوقات بڑے قریبی تعلقات ہوتے ہیں اس لئے لین دین کر لیتے ہیں۔ بڑے اعتماد کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد یہی اعتماد، بے اعتمادی میں بدل جاتا ہے۔ یہی محبت، نفرتوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر بعض دفعہ مقدموں تک نوبت آجاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلقات کو ہمیشہ محبت اور پیار کے دائرے میں رکھنے کے لئے فرمایا کہ قرض کی شرطیں، کاروباری معاہدوں کی شرطیں، لین دین کی شرطیں ہمیشہ تحریر میں لایا کرو۔ پہلی بات تو یہ کہ قرض کی مدّت ہمیشہ مقرر کرو تا کہ لینے والے کو بھی یہ احساس رہے کہ مَیں نے فلاں عرصے کے اندر واپس کرنا ہے اور دینے والا بھی جس کو قرض دیا گیا ہے اس کو بار بار تنگ نہ کرے۔.... گر دست بدست تجارت ہے، اگر خرید و فروخت براہ راست ہو رہی ہے تو ٹھیک ہے اس میں تحریر نہ لو۔ لیکن اس میں بھی بعض جھگڑا کرنے والے جھگڑوں کے بہانے تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ لینے والے کو اچھی طرح چھان پھٹک کر کے چیز لینی چاہئے تا کہ بعد میں کسی قسم کے جھگڑے نہ ہوں۔“

(خطبہ جمعہ 15/جون 2007ء)

امانت لوٹانا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال: 28) یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور (اس کے) رسول سے خیانت نہ کرو ورنہ تم اس کے نتیجہ میں خود اپنی امانتوں سے خیانت کرنے لگو گے جبکہ تم (اس خیانت کو) جانتے ہوگے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”کسی شخص کے دل میں ایمان اور کفر نیز صدق اور کذب اکٹھے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی امانت اور خیانت اکٹھے ہو سکتے ہیں“۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 349 مطبوعہ بیروت)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اس شخص کو (عندالطلب) امانت لوٹادو جس نے تمہارے پاس امانت رکھی تھی اور اُس شخص سے بھی خیانت نہ کرو جو تجھ سے خیانت کرتا ہے۔“

(سُنن التّرمذی اَبوَابُ البُیُوع)

دعویٰ نبوت سے پہلے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور یہ سلسلہ اس وقت تک کامل اعتماد کے ساتھ جاری رہا جب تک حضور ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف نہیں لے گئے حضور اپنوں اور دشمنوں سب کی امانتوں کا حق پوری شان کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ جب آپ شدید دکھ اور اذیت کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرما رہے تھے۔ تب بھی آپ کو لوگوں کی امانتوں کی واپسی کا خیال تھا اور آپ نے وہ امانتیں حضرت علیؓ کے حوالے کیں اور انہیں فرمایا کہ لوگوں کی امانتیں لوٹا کر مدینہ پہنچ جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے جہاں صحابہ کرام میں اور بے شمار خوبیاں پیدا کر دی تھیں وہاں دیانت وامانت میں بھی ان لوگوں کا پایہ بہت بلند کر دیا تھا۔ چنانچہ سخت ابتلا کے مواقع پر بھی انکے پائے دیانت نے کبھی لغزش نہیں کھائی۔ حضرت زبیرؓ کے پاس بوجہ ان کے امین ہونے کے لوگ اپنے مال امانت رکھ جاتے تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے آپ اسے اپنے اوپر قرض قرار دے لیتے تھے۔ متعدد صحابہ کا مال ان کے پاس امانت رہتا تھا اور وہ اس قدر دیانت داری سے کام لیتے تھے کہ ان لوگوں کے اہل وعیال کے لیے بھی بوقت ضرورت اپنی جیب سے خرچ کر دیتے تھے۔ لیکن ان کی امانت نہیں چھیڑتے تھے۔ ایک صحابی کے پاس کسی کی امانت محفوظ تھی۔ لیکن مالک کہیں چلا گیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ ایک سال تک تلاش کرو۔ چنانچہ انہوں نے پوری کوشش کی لیکن وہ نہ ملا۔ سال کے بعد پھر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ وہ نہیں ملا۔ تو آپ نے فرمایا پھر تلاش کرو۔ چنانچہ سال کے بعد پھر آکر کہا کہ وہ نہیں ملا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس قبیلہ کا جو آدمی پہلے ملے اس کے حوالے کر دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ ایک دوسرے شخص کی امانت جو اس کے پاس جمع تھی لے کر کہیں چلا گیا ہے۔ اس پر فرمایا:

”ادائے قرضہ اور امانت کی واپسی میں بہت کم لوگ صادق نکلتے ہیں اور لوگ اس کی پروا نہیں کرتے حالانکہ یہ نہایت ضروری امر ہے- حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس پر قرضہ ہوتا تھا- دیکھا جاتا ہے کہ جس التجا اور خلوص کے ساتھ لوگ قرض لیتے ہیں اسی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ واپس نہیں کرتے بلکہ واپسی کے وقت ضرور کچھ نہ کچھ تنگی ترشی واقع ہو جاتی ہے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 265)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

” اللہ تعالیٰ یہ بات بالکل پسند نہیں کرتا کہ جو خائن ہے، چور ہے، غلط کام کرنے والا ہے، اس کی حمایت کی جائے چاہے جتنے مرضی اونچے خاندان سے ہو، جتنے مرضی اونچے مقام کا ہو اور قطع نظر اس کے کہ کس کی اولاد ہے اگر وہ خیانت کا مرتکب ہوا ہے تو اس کو سزا ملنی چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ اگر تم نے ایسے لوگوں سے رعایت کی تو نہ صرف تم اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والے ہوگے بلکہ اپنے بھائیوں کو بھی نقصان پہنچا رہے ہوگے کیونکہ ایسے شخص کو جب ایک دفعہ معاف کر دیا جائے تو اس کو جرأت پیدا ہوتی ہے اور یہی عموماً سامنے آتا ہے کہ پھر ایسے لوگ دھوکے دیتے رہتے ہیں۔ اگر تمہارا بھائی، بیٹا یا اور عزیز رشتہ دار ہے تو اس کی خیانتوں کی وجہ سے لوگوں کے نقصان پورے کرتے رہو گے کیونکہ قریبی عزیز کو سزا سے بچانے کے لئے اور اپنی عزت کو بچانے کے لئے بعض دفعہ جن کو احساس ہو وہ نقصان پورے کرتے ہیں۔ بے چاروں کو قربانی دینی پڑتی ہے۔ تو جب اس طرح جرمانے بھرتے رہیں گے تو پھر اپنا بھی ساتھ نقصان کر رہے ہوں گے۔ تو فرمایا کہ ایسے سخت خیانت کرنے والے گنہگار کو اللہ پسند نہیں کرتا اس لئے تم بھی اس کو چھوڑ دو، اس کو سزا لینے دو۔ ہو سکتا ہے کہ اس دفعہ یہ سزا اس کی اصلاح کا باعث ہو جائے۔ لیکن اگر ایسے لوگوں کی حمایت کی تو ایسا شخص تمہارے ساتھ جماعت کی بدنامی کا باعث بھی بنتا رہے گا۔“

(خطبہ جمعہ 6/ فروری 2004ء)

قرض کی ادائیگی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ؕ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ (البقرہ:283)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک معیّن مدت تک کے لئے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے۔ اور کوئی کاتب اِس سے انکار نہ کرے کہ وہ لکھے۔

سامعین! ایک دوسرے سے لین دین کا معاملہ ہماری معاشرتی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ بعض اوقات انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ لیکن یہی لین دین جب قرض کی صورت میں ہو اور بروقت اگر اُس کی ادائیگی نہ ہو تو بے انتہاء معاشرتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ بھائی، رشتہ دار، دوست آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور جب بڑے پیمانے پر کاروباری اداروں اور بنکوں سے قرض لئے جاتے ہیں تو بعض دفعہ سب کچھ لٹنے اور ذلّت ورسوائی تک نوبت آجاتی ہے۔ اسی لیے قرض کی ادائیگی کو بھی ایمان کی ایک شاخ قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرض لینے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور حتیٰ الامکان قرض لینے کو سخت ناپسند کرتے تھے لیکن اگر حقیقی ضرورت ہوتی تو قرض لیتے اور وقت پر اور عمدگی کے ساتھ ادائیگی فرماتے اور بڑھا کر دیتے۔ مگر یاد رہے کہ بڑھا کر دینے کی شرط کو حضورؐ نے ناپسند فرمایا اور اسے سود قرار دیا جو اسلام میں حرام ہے۔ ہاں اپنی مرضی اور خوشی سے کوئی بڑھا کر دے تو یہ پسندیدہ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک شخص سے جوان اونٹ بطور قرض لیا تھا جب حضورؐ کی تحویل میں کچھ اونٹ آئے تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ مَیں اس شخص کا قرض ادا کروں۔ مَیں نے عرض کیا کہ ہمارے تمام اونٹ اس شخص کے اونٹ سے زیادہ عمر اور قیمت کے ہیں۔ مگر حضورؐ نے فرمایا اُس کو انہی میں سے دو کیونکہ لوگوں میں سے بہترین وہی ہیں جو ادائیگی کے لحاظ سے بہتر ہیں۔

(جامع ترمذی ابواب البیوع باب استقراض البعیر)

قرض کو ادا کرنے کا خیال صحابہ کرام کو اس طرح دامن گیر رہتا تھا کہ وہ اپنی ضروریات کی اشیاء بیچ کر بھی اس سے سبکدوش ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ابن حداد ایک صحابی تھے جن پر ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استغاثہ کیا تو آپ نے تین بار اس صحابی سے فرمایا کہ یہودی کا حق اسے ادا کرو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے پاس کچھ نہیں۔ کہاں سے ادا کروں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاموش ہو گئے مگر حضرت ابن حداد کو خیال آیا۔ چنانچہ آپ اٹھے اور بازار میں گئے۔ اپنے عمامہ کو اتار کر اس سے تہبند کا کام لیا اور تہبند کو چار درہم پر فروخت کر کے یہودی کا قرض ادا کر دیا۔

انسان اگر کسی مجبوری کے تحت قرضہ لیتا ہے تو پھر اُس کو ہر حال میں لکھ لینا چاہیے یہ قرآن کریم کا بھی حکم ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا دوست ہے ہمیں اِس پر بڑا اعتبار ہے، کیا ضرورت ہے لکھنے کی۔ اس سے تو آپس میں بے اعتباری بڑھے گی یہ نہ ہو کہ اگر مَیں لکھنے کا کہوں تو کہیں میرا دوست ناراض نہ ہو جائے اور کہیں ہمارے آپس کے تعلقات خراب نہ ہو جائیں تو ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر تعلقات خراب ہوں گے تو تب ہوں گے جب قرآن کریم کے حکم کی خلاف ورزی کریں گے نہ کہ قرآن کریم پر عمل کرنے سے۔ اللہ تعالیٰ نے لین دین کی تحریر لکھنے کا طریق بھی بتا دیا کہ کس طرح لکھی جائے اور کون لکھوائے۔ تو تحریر لکھوانے کی ذمہ داری قرض لینے والے پر ڈال دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ وہ لکھوائے جس کے ذمے دوسرے کا حق ہے۔ اور لکھوانے والا اللہ، اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ جو قرضہ دینے کی تاریخ معین کرے اُس تاریخ پر قرضہ واپس کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی قرض کی ادائیگی کی بہت فکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؑ نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب سے پانچ سو روپے قرض لیا تو اس کے بعد آپؑ نے ان کو خط لکھا اس میں لکھا کہ باعث تکلیف دہی یہ ہے کہ کیونکہ اس عاجز نے پانچ سو روپے آں محب کا قرض دینا ہے، مجھے یاد نہیں کہ میعاد میں سے کیا باقی رہ گیا ہے اور قرضے کا ایک نازک اور خطرناک معاملہ ہوتا ہے۔ میرا حافظہ اچھا نہیں۔ یاد پڑتا ہے کہ پانچ برس میں ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کتنے برس گزر گئے ہوں گے۔ عمر کا کچھ اعتبار نہیں۔ آپ براہ مہربانی اطلاع بخشیں کہ کس قدر میعاد باقی رہ گئی ہے تا حتی الوسع اس کا فکر رکھ کر بتوفیق باری تعالیٰ میعاد کے اندر اندر ادا ہو سکے اور اگر ایک

دفعہ نہ ہو سکے تو کئی دفعہ کر کے میعاد کے اندر بھیج دوں (یعنی قسطیں مقرر کر دوں)۔ امید ہے کہ جلد اس سے مطلع فرمائیں گے تا میں اس فکر میں لگ جاؤں کیونکہ قرضہ بھی دنیا کی بلاؤں میں سے ایک سخت بلا ہے۔ اور راحت اسی میں ہے کہ اس سے سبکدوشی ہو جائے۔"

(حضرت حجۃ اللہ نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اصحاب احمد حصہ دوم۔ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے، صفحہ 762-764)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ہر کام میں وہ اعلیٰ نمونے قائم ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی ہمیں تلقین فرمائی ہے۔ قرضوں کی لین دین کی شرائط ان احکامات کے مطابق کرنے والے ہوں اور قرضوں کی واپسی کا تقاضا بھی ہم تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے کرنے والے ہوں۔ اور قرضوں کے حصول کی کوشش بھی صرف اس وقت ہو جب اشد مجبوری ہو۔ اور پھر ان قرضوں کی ادائیگی کی بھی فکر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے ان قرضوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے جھکنے والے ہوں۔ ان معاشرے کے بہت سے فساد اسی لین دین کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان سے بچائے۔ اور جماعت احمدیہ کے معاشرے کو ان بکھیڑوں سے پاک رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حضور جھکیں گے اور کوشش بھی یہ ہو گی کہ قرضے ادا کرنے ہیں اور ان کی فکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ خود ہی سامان بھی اپنے فضل سے پیدا فرما دیا کرتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 13/ اگست 2004ء)

یتیموں کے حقوق کا خیال رکھنا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ (البقرہ:121)

یعنی اور وہ تجھ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تُو کہہ دے ان کی اصلاح اچھی بات ہے۔ اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی بند ہی ہیں۔

سامعین! یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت معاشرے پر فرض ہے۔ یہ معاشرے اور افراد کی بھی ذمہ داری ہے کہ ان کا خیال بھی رکھے اور ان کے مال کی حفاظت بھی کرے اور جب تک وہ اس قابل نہیں ہو جاتے کہ اپنے مال کو خود سنبھال سکیں ان کی حفاظت کریں۔ یتیموں کے متعلق بھی ڈر سے کام لینا چاہئے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ یتیم کی اصلاح، اچھی پرورش، اچھی تعلیم دینا بہت بڑی نیکی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین یتیموں کی کفالت کی وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو قائم باللیل اور صائم النہار ہو اور اس نے صبح شام اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار سونتے ہوئے گزاری ہو۔ مَیں اور وہ دونوں جنت میں دو بھائیوں کی طرح ہوں گے۔ جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔ اور آپ نے اپنی شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی کو باہم ملایا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب حق الیتیم حدیث:3680)

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے پاس مال نہیں ہے مگر ایک یتیم کا کفیل ہوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے زیرِ کفالت یتیم کے مال سے صرف اسی قدر کھاؤ کہ نہ اسراف ہو، نہ فضول خرچی ہو۔ اور نہ ہی اس کے مال سے اپنا ذاتی مال بڑھاؤ۔ اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ اس کے مال سے اپنا مال بچاؤ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 706 حدیث:7022 مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص)

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جو ضرورت مند ایسے ہیں کہ یتیم کی صحیح طرح کفالت نہیں کر سکتے ان کو اجازت دے دی کہ اگر یتیم کا مال ہے تو ان کی ضرورت کے مطابق اس میں سے خرچ کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

یتیم کی پرورش کرنے والے کا یہ مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جنت کی خوشخبری دی ہے اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے والے کو، اس کا خیال رکھنے والے کی نیکیوں کو اس بچے کے سر کے بالوں کے برابر شمار کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو اس بات پر لڑتے تھے اور حریص رہتے تھے کہ یتیم کی پرورش کریں۔ اور اگر کوئی یتیم ہوتا تو ایک کہتا کہ مَیں اس کی پرورش کروں گا اور دوسرا کہتا کہ مَیں اس کی پرورش کروں گا۔ تیسرا کہتا کہ مَیں اس کی پرورش کروں گا۔ اور اس بات پر وہ لوگ حریص تھے کہ جنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ ملے۔ وہ جب یتیموں کو پالتے تھے تو بڑے احسن رنگ میں ان کی تربیت

کرتے تھے۔اپنے بچوں کی طرح ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ یتیموں کو پالنے والوں کو بڑا بھائی کہہ دیا کہ وہ ان بڑے بھائیوں کی طرح چھوٹے بھائی کی ذمہ داری ادا کرے جو حقیقت میں چھوٹے بھائیوں کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

یتیموں کے حقوق کی ادائیگی نہ کرنے سے معاشرے قربانی کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر یتیموں کے حقوق کی ادائیگی نہ کی جائے تو ان کی ترقی میں روک بن جاتا ہے۔ انہیں آگے بڑھنے سے محروم کر دیتا ہے اور اگر اس کا صحیح طور پر سدّباب نہ کیا جائے تو امیر غریب کے فاصلے بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں اور پھر پُر امن معاشرے کی بجائے فسادی معاشرہ جنم لینا شروع کر دیتا ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ کو انسانوں کے حقوق کی ادائیگی نہ صرف پسند ہے بلکہ ایک مؤمن کے لئے فرض قرار دی گئی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یتیموں کے بارہ میں یہ بعض احکامات ہیں کہ ان سے کس طرح کا سلوک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس طرح فرمایا ہے کہ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى کہ یتیموں کو آزماتے رہو۔ آزمانا کیا ہے؟ کس طرح آزمانا ہے؟

یہی کہ تمہارے سپرد جو یتیم کئے گئے ہیں ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھو۔ انہیں لاوارث سمجھ کر ان کی تربیت سے غافل نہ ہو جاؤ، ان کی تعلیم سے غافل نہ ہو جاؤ بلکہ انہیں اچھی تعلیم و تربیت مہیا کرو۔ اور جس طرح اپنے بچوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے ہو، اُن کے بھی جائزے لو کہ تعلیمی اور دینی میدان میں وہ خاطر خواہ ترقی کر رہے ہیں یا نہیں؟ پھر جس تعلیم میں وہ دلچسپی رکھتے ہیں اس کے حصول کے لئے ان کی بھرپور مدد کرو۔ یہ نہیں کہ اپنا بچہ اگر پڑھائی میں کم دلچسپی لینے والا ہے تب اس کے لئے ٹیوشن کے انتظام ہو جائیں، بہتر پڑھائی کا انتظام ہو جائے اور اس کی پڑھائی کے لئے خاص فکر ہو اور یتیم بچہ جس کی کفالت تمہارے سپرد ہے وہ اگر آگے بڑھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تب بھی اس کی تعلیم پر، اس کی تربیت پر کوئی نظر نہ رکھی جائے۔ نہیں! بلکہ اس کی تمام تر صلاحیتوں کو بھرپور طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ اصل حکم ہے۔ اور جتنی بھی اس کی استعدادیں اور صلاحیتیں ہیں اس کے مطابق اس کو موقع میسر کیا جائے کہ وہ آگے بڑھے اور مستقبل میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔ کبھی اسے یہ خیال نہ ہو کہ مَیں یتیم ہونے کی وجہ سے اپنی استعدادوں کے صحیح استعمال سے محروم رہ گیا ہوں۔ اگر میرے ماں باپ زندہ ہوتے تو مَیں اس وقت سبقت لے جانے والوں کی صف میں کھڑا ہوتا۔“

(خطبہ جمعہ 26/ فروری 2010ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)